تقریظ و انتقاد

فتنۂ ارتداد اور مرآۃ المثنوی

از مولانا مناظر احسن گیلانی استاذ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

عقلی طغیانی اور ذہنی شوریدگی کے ان خطرناک گھنگھور بادلوں کو جس کا نام کفر ہے شاید وہی شعاعیں پھاڑ سکتی ہیں جو نبوت کے آفتاب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نکل رہی ہوں لیکن کسی امت مسلمہ مطیعہ میں جب ارتداد و ارتیاب کی ہل چل پیدا ہوتی ہے تو کسی اور دین و ملت کو تجربہ ہو یا نہ ہو لیکن مسلمانوں کا مشاہدہ ہے کہ قدرت نے اس طوفان کو تھامنے کے لئے ہمیشہ صدیقوں کو اٹھایا۔ اسلام کا پہلا ارتداد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی شروع ہوا اور جس کا دوسرا نام تاریخ اسلام میں "فتنہ ردہ" ہے سب جانتے ہیں کہ اس اٹھنے والے فساد کو اسنے بٹھا دیا جو اسلام کا پہلا اور سب سے بڑا صدیق تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسلام کے وسطانی دور میں یونان و رومان مصر و ایران چین و ہند کے وساوس و اوہام کے ترنم میں اللہ کی کتاب گھر گئی اور وہی امت جو قرآن کے نیچے رہنے کے لئے بنائی گئی تھی اس نے قرآن ہی کو اپنی خواہشوں کے نیچے دبا دیا گو الفاظ سے علانیہ بغاوت کا ظہور کم ہوا تھا لیکن قرآن کے معانی سے پھرنے والے دماغوں اور مرتد ہونے والی روحوں کی ایک بڑی تعداد ان ہی گھروں میں پیدا ہو گئی تھی جنہیں مسلمانوں کا گھر سمجھا جاتا تھا اور ان ہی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی جن کے ناموں کو مسلمانوں کا نام خیال کیا جاتا تھا۔

پھر جس طرح ارتداد اول میں تم نے دیکھا تھا کہ کپڑے کا ایک سوداگر فوجوں کی کمانداری کا کام دل کی ہمت اور دماغ کی بیداری سے انجام دے رہا ہے اور عرب کے جنگ آزما قبیلوں میں سے ایک ایک کو چن چن کر ارتداد سے اسلام پر بغاوت سے اطاعت پر واپس لے آیا کچھ اسی قسم کا واقعہ وسطانی

رتداد میں بھی پیش آیا کہ صدیقؓ اول ہی گھرانے کا ایک صدیق جو صرف نسلاً ہی صدیقی نہ تھا بلکہ ربانی مدارج میں اہل نظر نے اس کو بھی ملیک مقتدر کے آگے مقعد صدق میں پایا ہے، قدم صدق پر کھڑا ہوا۔ اٹھا لوگ دیکھنے والے اچنبھے سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ وہی جو ابھی چند سال پہلے نحو و صرف، اصولِ فقہ، فقہ، منطق، کلام کے خشک اور جدلی مباحث میں مشغول تھا وہ سر بازار کچھ گا رہا ہے، سنا رہا ہے، خود سر دھنتا ہے، دوسروں سے دھنواتا ہے، بازار میں مست ہونے والے اس مُلّا کا نام اب تو خدا جانے کیا کیا ہے لیکن اُس وقت اس کو لوگ "مُلّا جلال الدین" کے نام سے موسوم کرتے تھے رحمۃ اللہ علیہ وقدس سرہٗ

زمخشری و بیضاوی کے رٹانے والے بزدوی اور ابن حاجب کو گھول کر پلانے والے خیالی اور عضدی کے بالوں کی کھال نکالنے والوں میں سے کون ہے جو رہ گیا یا اس کے رہنے کی کوئی امید ہے لیکن وہی جسے لوگوں نے طوطا و خرگوش کا قصہ سنانے والا خیال کیا تھا اب اسلام کا سب سے بڑا فلسفی قرآن کا بڑا مفسر، اسرار شریعت کا سب سے بڑا شارح سمجھا جاتا ہے، صوفی اس کے گیتوں پر محو رقص ہیں، واعظ اس کے اشعار پڑھ کر جھوم رہے ہیں، حکیم اس کے الجھے ہوئے بیان سے اپنا فلسفہ سلجھا رہے ہیں، شاعر اس کے بے اصول و قواعد کلام سے اپنے کلام میں زور پیدا کر رہے ہیں، وہ مدت سے بازار میں آیا لیکن لوگوں نے اس کو، اس کی کتاب کو بازار سے اٹھا کر کہاں پہونچایا آج وہ مکتبوں ہی میں نہیں، مدرسوں ہی میں نہیں کالجوں میں ہے، یونیورسٹیوں میں ہے، مشرق ہی میں نہیں کیمبرج[1] میں ہے آکسفورڈ میں ہے، مندروں میں ہے، شوالوں[2] میں ہے اور آخر میں وہی جس نے اپنے کو رسوا سربازار کیا تھا اور کسی پاک نیت صادق جذبہ سے بیکل ہو کر کیا تھا وہ مسجدوں میں ہے، ممبروں پہ ہے، خانقاہوں میں ہے اور کون جان سکتا ہے کہ زمین کی یہ پیداوار آسمان کی کن بلندیوں تک پہونچ کر رہی ہے۔

---

[1] حال میں مثنوی شریف بڑے آب و تاب سے ڈاکٹر نکلسن کی تصحیح سے کیمبرج سے شائع ہوئی ہے۔

[2] آگرہ کے مشہور ہند دا لسٹی ٹیوشن راحم دیال باغ میں مثنوی کا درس روزانہ دیا جاتا ہے۔

"أَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِی السَّمَآءِ" کا مکاشفہ جن کو ہوا ہے کیا بتاؤں کہ وہ اس کلام کے
متعلق کیا کیا کہتے ہیں "زبان پہلوی کا قرآن" کہنے سے تو میں نے متقشف سے متقشف ملاؤں
مولویوں کو بھی جھجکتے ہوئے نہیں دیکھا۔

"مثنوی شریف" نے اسلام کے وسطانی دور کے "ارتداد" کا ردعمل جس زور و قوت کے ساتھ
کیا ہے اس کے لئے ایک مبسوط مطالعہ اور طویل تفصیل کی ضرورت ہے خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے اس صدیقی کو
اپنی نیت میں کامیاب کیا وَاللّٰهُ لَا يُضِيعُ أَجۡرَ الۡمُحۡسِنِينَ۔

آج اسلام پھر ارض مغرب کے وساوس و شکوک کے اندھیرے میں گھر ا جا رہا ہے۔ اسلامی اقوام
کے جن خاندانوں کا تعلق مغربی تہذیب سے ہو رہا ہے بتدریج ان میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے
پیغام سے ارتداد پیدا ہو رہا ہے۔ وسطانی دور کے ارتداد میں چونکہ اسلام سیاسی طور پر تو مولانا کے زمانہ
میں برتری حاصل کئے ہوئے تھا اس لئے جیسا کہ میں نے کہا ہے اس ذہنی ارتداد اور باطنی لغاوت نے مسلمانوں
کے صرف ظاہر کو کم متاثر کیا تھا لیکن بدقسمتی سے "ارتداد" کا جو دور مغرب کے اثر سے اب شروع ہوا ہے اس وقت
بدبخت مسلمان اپنے سیاسی تفوق کو بھی کھو بیٹھے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت جو "ارتداد" باطن میں پیدا ہوتا ہے
کچھ دن تو سوسائٹی کے دباؤ سے اندر ہی دبا رہتا ہے لیکن جیسے جیسے خاندانوں کا تعلق اپنے قبیلہ سے کمزور
ہوتا جاتا ہے سوسائٹی کی گرفت ڈھیلی پڑتی جاتی ہے اور مغربی قوت سے ان کو نزدیکی حاصل ہوتی جاتی
ہے، اسی نسبت سے یہ "ارتداد" اندر سے نکل نکل کر باہر آ رہا ہے۔ مغربی طرز کے اسکول و مدارس "ارتداد" کی اس
آگ کو ہوا دینے میں سب سے زیادہ اس وقت معاون و مددگار ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا آخری انجام
کیا ہے صرف ختم نبوت کی واقعیت اور "إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" کا وعدہ یاس کی گھڑیوں میں "امید" کی جھلکی دکھا
رہا ہے، ورنہ واقعات کی جو رفتار ہے اس سے دردوالوں کے دل پگھل رہے ہیں جگر کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں

فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حَافِظًا وَّهُوَ أَرۡحَمُ الرَّاحِمِينَ

اس سلسلہ میں مخلصین اسلام کے مختلف افراد اپنی اپنی جگہوں پر جو بن آتا ہے کر رہے ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کی خدمت کچھ نہ کچھ اپنے نتائج خود پیدا کر رہی ہے جزاہم عن نبی الاسلام خیر الجزا صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں ہمارے محترم و مکرم جناب قاضی تلمذ حسین صاحب (جنہیں میں نہیں جانتا کہ صدیقیت سے ان کو کس قسم کا تعلق ہے) ارتداد کے اس فتنہ کے مقابلہ پر اسی صدیقی حربہ کو لے کر اٹھے ہیں جس نے وسطانی دور کے ارتداد کو بغیر کسی شور و غوغا کے قصہ و کہانی کے پیرایہ میں فاش شکست دی تھی اور ہمیشہ کے لئے اسلامی دنیا کے سر سے پار بھگا دیا تھا قاضی صاحب کو خود تجربہ ہوا یا ان کا حسن ظن ہے لیکن انہوں نے اگر یہ سمجھا ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں میں موجودہ ذہنیت کے مطابق کسی آسان شکل میں "مثنوی مولانا روم" کو پھر پھیلا دیا جائے تو کیا بعید ہے کہ ارتداد کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر آ کر تھم جائے۔ قاضی صاحب کی اگر یہی نیت ہے تو پاک نیت ہے اور صحیح ارادہ ہے۔

لیکن مثنوی شریف کو موجودہ سہولت پسند مذاق کے مطابق کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ آج جبکہ ویبسٹر ڈکشنری سے الفاظ نکالنے کے لئے علاوہ عام فہرست 'انڈکس' اور خدا جانے کن کن تسہیلی مقدمات کے یہ تک کر دیا جاتا ہے کہ ہر ہر حرف کے اوراق دوسرے حروف سے کاٹ کر جدا کر دیے جاتے ہیں اور اس قطع شدہ حصہ پر اسی حرف کو لکھ دیا جاتا ہے "مثنوی شریف" کے بحر بے پایاں کی ان گنت موجوں کا تھامنا ان میں ترتیب پیدا کرنا ان کے لئے فہرست بنانا 'الفاظی اشارے تیار کرنا' واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے لیکن صد تحسین و ہزار تبریک کی مستحق ہے قاضی صاحب کی ذات کہ اس کام کا بار تن تنہا اپنے سر پر انہوں نے اٹھا لیا اور خاموش طریقے سے بیس سال کی طویل مدت میں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ارادے میں کامیاب کیا۔ ان کی یہی بست سالہ محنت و کاوش ہے جو اب ملک و قوم کے سامنے ہے۔

۱۔ انہوں نے مثنوی شریف کے تمام قصوں کو جو اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ ان کا سلسلہ پڑھنا دشوار تھا پہلے ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ جن لوگوں کو حقائق و معانی سے زیادہ مناسبت نہ ہو وہ پہلے ان قصوں سے مثنوی کا آغاز کریں چونکہ مثنوی کا قصہ

اپنے اندر نتائج وبصائر کا ایک ذخیرہ رکھتا ہے اس لئے یا امید بیجا نہیں ہے کہ قصوں کے بہانے سے عام لوگوں کو ابتدا ہی سے مولانا کے منشاء اور مقصد سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہوجائے گی۔

۲۔ انہوں نے پھر ایک مجموعہ ان اشعار کا تیار کیا ہے جن میں مولانا کے سارے خیالات جو اسلام کے فروع واصول عملیات ونظریات کے متعلق ہیں اور یہی بحر بے پایاں ہے۔ قاضی صاحب نے ان کو عنوانوں کے قید وبند میں لانا چاہا ہے اور حتی الوسع اس میں وہ کامیاب ہوئے ہیں لیکن ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست بہرحال مطالعہ کرنے والے مثنوی شریف کے اس حصہ کے بعد خود اپنے اندر اتنی لطافت اور دقت نظر پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کو عنوانی رہنمائی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

۳۔ انہوں نے ان قرآنی آیات کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے جن کا ذکر مثنوی شریف کے مختلف حصوں میں متفرق طور پر تھا۔ ان کے پڑھنے سے مسلمانوں کو قرآن کے سمجھنے کی ایک نئی راہ معلوم ہو گئی جو خاص مولانا روم کا حصہ ہے اور قرآن کو اس طرز پر سمجھنے کی عہد حاضر کے مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے گویا وہ مولانا روم کی تفسیر کا ایک حصہ ہے۔

۴۔ انہوں نے ان احادیث کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے جن کا ذکر مثنوی شریف میں آگیا ہے، نبوی اقوال کے فہم میں کس ذوق اور کتنی عمیق نظر کی ضرورت ہے اس کا اندازہ اس حصہ سے ہوتا ہے بلکہ دیکھنے والوں میں حدیثوں کے سمجھنے کا بھی ایک سلیقۂ خاص پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ دوسری حدیثوں کی شرح وفہم میں کام لے سکتے ہیں۔

۵۔ آخر میں قاضی صاحب نے "مدحیہ اشعار" کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے اس میں ان مورخین کے لئے ایک بڑی اعانت ہے جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مولانا روم کے ذاتی تعلقات کن کن لوگوں سے کیا تھے۔ اور حضرت اپنے دوست واحباب تلامذہ اور مریدوں سے کس قسم کا سلوک فرماتے تھے۔

۶۔ سب سے زیادہ سخت لیکن زمانہ کے مطابق کام قاضی صاحب کا وہ "کشافیہ" ہے جو مثنوی کے ہر شعر کے متعلق انہوں نے لگایا ہے میں نے اس کا ذکر صرف ایک سطر میں کیا اور قاضی صاحب کی عمر کا ایک گراں مایہ حصہ اس کے نذر ہوا۔ خدا کرے قاضی صاحب کو یہ محنت بار آور ہو۔ اور موجودہ فتنہ روم کے مقابلہ میں قاضی صاحب کا یہ صدیقی متھیار کارگر ثابت ہو۔ طباعت کتابت کاغذ جلد سب کچھ مذاق حاضرہ کے مطابق ہے قیمت میں بھی انتہائی رعایات مدنظر رکھی گئی ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل